استحکام پاکستان اور صحافت کا کردار

حافظ صلاح الدین یوسف

مورخہ ۲۰- اکتوبر ۱۹۹۲ء کو اسلام آباد ہوٹل اسلام آباد میں تحریک استحکام پاکستان کے زیر اہتمام دینی جرائد کے مدیران کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔ جس کی صدارت جناب سردار عبدالقیوم وزیراعظم آزاد کشمیر نے کی۔ اس اہم اجلاس میں پاکستان کے نامور صحافی اور عظیم سکالر جناب محترم حافظ صلاح الدین یوسف صاحب نے ایک فکر انگیز مقالہ پیش کیا۔ جس نے پورے ہاؤس سے داد وصول کی۔ یہ مقالہ جہاں قلب و ذہن کو دعوت فکر دیتا ہے۔ وہاں موجودہ صحافت کی ایک جھلک بھی پیش کرتا ہے۔ افادہ عام کے لئے اس مقالے کو ہم ترجمان میں شائع کر رہے ہیں۔

ادارہ

کسی ملک اور قوم کی وحدت و استحکام میں دو چیزیں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ ایک زبان اور دوسرا وہ نظریہ جس کی صداقت پر قوم ایمان رکھتی ہے۔ اس نقطہ نظر سے جب ہم اپنے ملک پاکستان کو اور اپنی قوم ملت اسلامیہ پاکستانیہ کو دیکھتے ہیں تو مسرت اور اطمینان کا احساس ہوتا ہے کہ اس کے چاروں صوبوں کی زبان اگرچہ الگ الگ ہے لیکن ایک زبان پھر بھی ایسی ہے جو چاروں صوبوں میں سمجھی اور بولی جاتی ہے اور جس نے انہیں ایک لڑی میں پرو رکھا ہے۔ یہ ہے وہ زبان جسے قومی زبان -- اردو -- کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ہمارے پاس ایک نظریہ بھی

ہے جس کی صداقت پر پوری پاکستانی قوم غیر متزلزل یقین رکھتی ہے اور وہ نظریہ ہے ---اسلام---

لیکن جب ہم پاکستان کی گذشتہ ۴۵سالہ تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ دیکھ کر ہمیں سخت مایوسی ہوتی ہے کہ پاکستان میں ہر برسراقتدار آنے والی پارٹی یا حکمران نے وحدت و سالمیت کی ضامن ان مذکورہ دونوں بنیادوں کو مستحکم کرنے کی بجائے ان کو کھوکھلا ہی کرنے کی شعوری یا غیر شعوری کوششیں کی ہیں۔ قومی زبان کی بجائے ہر دور میں یہاں انگریزی ہی کا تسلط اور غلبہ رہا ہے اور تاحال ہے اور اسلامی تہذیب و اقدار کے مقابلے میں مغرب کی حیاباختہ تہذیب و اقدار کو یہاں بڑی تیزی سے فروغ دیا جا رہا ہے اور تاحال اس پالیسی میں کوئی تبدیلی کے آثار نہیں ہیں۔

حکومتوں کی ان پالیسیوں کا ہی نتیجہ ہے کہ ذرائع ابلاغ جو قوموں کے بنانے یا بگاڑنے میں نہایت موثر کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کی بھی ساری مساعی بہ حیثیت مجموعی بگاڑنے پر ہی صرف ہو رہی ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن تو سرکاری کنٹرول میں ہیں۔ ان کی پالیسی اور اقدامات تو یقیناً حکومت کی پالیسی سے مختلف نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ان دونوں اداروں کا کردار کتنا بھی غلط اور گھناؤنا ہو، تاہم قابل فہم ضرور ہے کہ یہ اسی حکومت کا ایک حصہ ہیں کہ جس کا رخ کعبہ کی بجائے مغرب کی طرف ہے اور جو اپنے مغربی آقاؤں کے اشارہ ابرو کے بغیر کوئی بنیادی اقدام کرنے کی اپنے اندر ہمت اور حوصلہ نہیں پاتی۔ یہ سرکاری ذرائع ابلاغ قوم کی نوجوان نسل کو جس طرح بگاڑ رہے ہیں، ان کے اندر اخلاقی انارکی اور نظریاتی انتشار پھیلا رہے ہیں اور ویسے بھی یہ موضوع آج کی مجلس سے مختلف ہے اس لئے

اس پر گفتگو مناسب نہیں۔ لہذا عیاں راچہ بیان۔ پر ہی کفایت کی جاتی ہے۔

ذرائع ابلاغ میں صحافت بھی شامل ہے جو آج کی گفتگو کا اصل موضوع ہے۔ یہ صحافت بھی ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی طرح ایک نہایت مؤثر ذریعہ ہے بگاڑ یا اصلاح کا۔ بلکہ (میں تو یہ کہوں گا کہ) قوم کے بنانے یا بگاڑنے میں صحافت ریڈیو، اور ٹی وی سے بھی زیادہ مؤثر کردار ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ عام طور پر ریڈیو اور ٹی وی کے پروگراموں کو ذریعہ تفریح ہی سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے اس کے ۸۹، جیسے نہایت خطرناک میوزک پروگرام کو بھی ایک تفریح کو کے مذاق میں اڑا دیا جاتا ہے۔ صحافت کا کردار اس کے برعکس زیادہ مؤثر، فعال، سنجیدہ اور دیرپا ہے۔ اس میں شائع شدہ چیزوں کو کوئی تفریح اور مذاق قرار نہیں دیتا بلکہ اسے تعلیم اور فکری تربیت سمجھا جاتا ہے۔ تعلیم اور فکر اچھی ہو گی تو قوم کی تربیت بھی اچھی ہو گی، اس کا اخلاق و کردار بھی سنورے گا اور فکر و نظر کی تطہیر اور نفوس کا تزکیہ بھی ہو گا۔ اس لئے صحافت معلم اخلاق بھی ہے، مزکی نفوس بھی ہے اور فکر و نظر کی معمار اور مطہر بھی۔ یہ گویا ایک داعیانہ کردار اپنے اندر رکھتی ہے جو دعوت و تبلیغ کے ذریعے اصلاح قوم و ملک کا انبیائی فریضہ۔۔ انجام دینا چاہے تو۔۔ دے سکتی ہے۔

لیکن نہایت افسوس کے ساتھ اس تلخ حقیقت کا اظہار کرنا پڑ رہا ہے کہ ہماری قومی صحافت داعی کا کردار تو ضرور ادا کر رہی ہے۔ مگر داعی الی اللہ کا نہیں، داعی الی الشیطان کا۔ وہ معلمانہ فرض بھی بلاشبہ ادا کر رہی ہے۔ مگر وہ معلم خیر کی بجائے معلم شر اور معلم فسق و فجور بنی ہوئی ہے۔ یہ نسل نو کی معمار ضرور ہے، مگر معماری کے خوش نما عنوان سے یہ تخریب کاری میں سرگرم ہے۔ یہ اسلام کی مبلغ نہیں، الحاد و زندقہ کی مبلغ ہے۔ اسے اسلامی تہذیب و اقدار سے سخت نفرت

ہے اور مغرب کی حیا باختگی، عریانی و فحاشی اسے بہت پسند ہے۔ اسے اسلامی فکر رکھنے والے اہل قلم سے عناد ہے کہ وہ "بنیاد پرست" ہیں اور اس زمانے میں بھی اللہ کا نام لیتے ہیں، اس حیاء و عصمت کے تصورات کا تحفظ چاہتے ہیں جو اسلام کے عطا کردہ ہیں اور رجعت پسند ہیں کہ جمہوریت کی نیلم پری اور دیو استبداد کے مقابلے میں اسلام کے نظام خلافت کے احیاء کی تڑپ اور آرزو اپنے دلوں میں رکھتے ہیں۔ اس صحافت کو وہ اہل قلم محبوب ہیں جو مسلمان عورت کو ہوس ناک نگاہوں کے لئے عریاں کر دینا چاہتے ہیں، اس کے حیاء و عصمت کے لباس کو اور اس کے تقدس کی ردا کو تار تار کر دینا پسند کرتے ہیں، جو نوجوان نسل میں الحاد و زندقہ کی تخم ریزی کر کے نظریاتی انتشار پھیلا رہے ہیں اور جو جمہوریت کو (جو کہ اسلامی ملکوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے مغربی استعمار کا ایک بہت ہی خوش نما اور بڑا حربہ ہے) عین اسلام باور کرا کے مرض کو علاج، کانٹے کو پھول اور زہر کو تریاق قرار دے رہے ہیں۔ الغرض ہماری یہ قومی صحافت

اے تو مجموعہ شر بچہ نامت خوانم

والی بات ہے۔ کون سی برائی ہے جو اس کے اندر نہیں ہے؟ یا کون سی برائی ہے جس کی دعوت یہ قوم کو نہیں دے رہی ہے؟

یہ ٹھیک ہے کہ ظاہری لحاظ سے ہماری قومی صحافت نہایت حسین، دل فریب اور جاذب نظر ہو گئی ہے۔ اس کا غازہ اور لپ اسٹک بین الاقوامی معیار کا حامل ہے، اس میں ہر روز مسلمان لڑکیوں کو یورپ کی حیا باختہ الھڑ حسیناؤں کے روپ میں پیش کر کے اور شرم و حیاء کے آبگینوں کو نہایت بے دردی سے پاش پاش کر کے لاکھوں روپے یومیہ کی کمائی کی جاتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ محلے

میں کوئی نوجوان لڑکی اپنے حسن و جمال اور ناز و ادا سے اگر نوجوانوں کے دل لبھائے تو سے تو بدچلن، آوارہ اور فاحشہ وغیرہ قرار دے دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ اخبارات حسن و رعنائی اور آزادی نسواں کے نظر فریب ناموں سے یہی آوارگی اور بدچلنی گھر گھر پھیلائیں تو کیا انہیں نا گنہ۔ عصمت فروش اور مذہب و ملت کا ناموس بیچنے والا نہیں کہا جا سکتا۔ ایک چیز، جب انفرادی طور پر جائز نہیں تو اجتماعی طور پر اس کا جواز کیوں کر تسلیم کیا جا سکتا ہے بالخصوص جب کہ اجتماعی انداز میں ان کی قباحت دہ چند بلکہ صد چند ہو جاتی ہے۔ جب ایک برائی محدود دائرے میں قابل برداشت نہیں تو وسیع تر دائرے میں اسے برداشت کرنے کا جواز کیا ہے؟

بہرحال پاکستانی صحافت کا موجودہ کردار اور انداز علامہ اقبال کے اس مصرعے کا مصداق ہے۔

جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

قومی صحافت کے اس کردار، جس کی مختصر وضاحت کی گئی اب یہ امید نہیں کہ وہ پاکستان کے استحکام اور اس کی وحدت و سالمیت کے لئے کوئی مثبت کردار ادا کر سکے گی۔ کیونکہ پاکستان کا استحکام اور اس کی وحدت و سالمیت اسلام سے وابستہ ہے۔ اسلام کے فروغ و ذیوع سے ہی اس کی جڑیں مستحکم ہوں گی اور اس کی وحدت و سالمیت کا تحفظ ہو سکے گا اور ہماری موجودہ قومی صحافت من حیث المجموع اسلام کی دشمن اور اس سے باغی ہے اور قوم کی نوجوان نسل کو بھی اسلام کا دشمن اور باغی بنانے میں سرگرم عمل ہے۔ اس لئے اس صحافت سے استحکام پاکستان کے لئے کوئی امید وابستہ کرنا

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

کا مصداق اور تخم حنظل بو کر خوش ذائقہ پھلوں کی پیداوار کی امید رکھنے کے مترادف ہے۔

اسی دائرے میں وہ ماہوار یا ہفتہ وار رسائل و جرائد اور ڈائجسٹ وغیرہ بھی آجاتے ہیں جو دنیا کے چند ٹکوں کی خاطر نوجوان نسل کے اندر جنسی انار کی اور بے حیائی کے جراثیم پھیلا رہے ہیں اور انہیں اپنی تہذیبی اقدار و روایات سے بیگانہ بلکہ ان کا دشمن بنا رہے ہیں۔ مذکورہ گذارشات ممکن ہے بہت سے لوگوں کو تلخ معلوم ہوں۔ ان سے میں معذرت کے ساتھ عرض کروں گا کہ یہ تلخ ضرور ہیں لیکن خلاف واقعہ ہرگز نہیں ہیں اور اسے یہاں بیان کرنے سے ایک مقصد تو یہ ہے (جس کے پورے ہونے کی توقع اگرچہ نہ ہونے کے برابر ہے)

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

دوسرا مقصد قومی صحافت کے اس کردار کی وضاحت کرنا ہے جو استحکام پاکستان کے حوالے سے آج کی گفتگو کا موضوع ہے اور جس میں اس کردار کی وضاحت ناگزیر ہے جو وہ ادا کر رہی ہے۔ وہ کردار اچھا ہے یا برا؟ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے نقطہ نظر سے اس کا جائزہ لے اور اس کے اچھے یا برے ہونے کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرے۔ میں نے قومی صحافت کے بارے میں جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ اسلام کے حوالے سے ہے اور جسے اسلام کا صحیح فہم حاصل ہے اور وہ اسلام کے اصول و نصوص کو ابدی سمجھتا ہے۔ اس نے اسلام کو مغرب کے مستشرقین کے حوالے سے یا مشرق کے مستغربین کی کتابوں اور کالموں سے نہیں سمجھا ہے۔ وہ میری رائے سے یقیناً اتفاق کرے گا۔ یہ میرے فرد واحد کی رائے نہیں ہے۔ بلکہ ان لاکھوں دلوں کے جذبات کی ترجمانی ہے جو میری طرح اسلامی اقدار و تہذیب کی مٹی پلید ہوتے دیکھ رہے ہیں لیکن عدم قدرت

کی وجہ سے بے بس ہیں۔

قومی صحافت کے اس کردار کو دیکھتے ہوئے بلاتامل کہا جاسکتا ہے کہ استحکام پاکستان میں اس کا کردار بالکل منفی کردار ہے یعنی یہ اسی بنیاد کو بیخ و بن سے اکھاڑنے میں کوشاں ہے جس پر اس ملک کی بنیاد ہے اس لحاظ سے اس کا کردار اس بڑھیا کے کردار سے مختلف نہیں ہے جو نہایت محنت سے سوت کاتنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے اسے ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ بنا بریں ہم تحریک استحکام کے پلیٹ فارم سے قومی صحافت کے ذمہ داروں سے عرض کریں گے کہ وہ اس منفی کردار، مذہب بیزاری اور اسلام کے خلاف ذہنی ارتداد و بغاوت پھیلانے کی شیطانی روش سے باز آجائیں، ورنہ وہ قرآن کریم میں بیان کردہ وعید الہیٰ کی زد میں آسکتے ہیں۔

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنوا لهم عذاب الیم فی الدنیا و الاخرۃ (النور)

"بے شک وہ لوگ جو اہل ایمان کے اندر بے حیائی پھیلانا پسند کرتے ہیں، ان کے لئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے"

کاش اہل صحافت اس وعید پر کان دھر سکیں اور اس سے بچنے کا اہتمام کر سکیں۔

البتہ صحافت کی ایک اور قسم ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بھی کچھ ذکر کر دیا جائے بالخصوص جب کہ صحافت کی یہ قسم پاکستان کے استحکام اور اس کی وحدت و سالمیت کے لئے نہایت مفید اور موثر کردار ادا بھی کر رہی ہے اور اس کا دائرہ اشاعت بھی خاصا وسیع ہے۔ یہ ہے سیاسی صحافت اور تہذیبی و معاشرتی صحافت۔ اس سے میری مراد وہ چند ہفت روزہ رسالے اور بعض ماہوار ڈائجسٹ ہیں

اور ایک آدھ روزنامہ جن میں سیاسی تجزیے، تبصرے اور حالات و واقعات کی روداد یں چھپتی ہیں یا ڈائجسٹوں میں اس کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب و معاشرت، مسلمان اکابر و اعاظم کی زندگیوں کے قابل قدر اور قابل نمونہ حالات اور ماضی کے مسلمان رہنماؤں کی سیرت و کردار کے تابندہ پہلوؤں پر مشتمل مضامین بھی چھپتے ہیں۔

یہ سیاسی رسائل اور ماہوار ڈائجسٹ سیاست کے میدان میں بھی عوام کی اچھی رہنمائی کر رہے ہیں، جب کہ سیاست کا یہ میدان بنجر ہو چکا ہے اور اس میں شور اور کلر کے سوا کچھ نہیں رہا ہے۔ اس کے باوجود یہ رسائل اس زمین شور سے سنبل و ریحان پیدا کرنے کی مستحسن کوششیں کر رہے ہیں اور نہایت جرات و ہمت سے اقتدار کے طالع آزماؤں کو بے نقاب کر کے عقابوں کے نشیمن کو زاغوں کے تصرف میں آنے سے روکنے کے لئے اپنی مقدور بھر سعی کر رہے ہیں۔ یہ رسائل مغربی تہذیب و معاشرت کے مقابلے میں اسلامی تہذیب و معاشرت کی برتری اور اس کا صحیح شعور بھی عوام کے اندر اجاگر کرنے میں مؤثر کردار ادا کر رہے ہیں۔

یہ رسائل اور ڈائجسٹ اپنے اس دوگونہ کردار کی وجہ سے پاکستان کے استحکام اور اس کی وحدت و سالمیت کا بنیادی فریضہ نہایت تن دہی، محنت اور جاں فشانی سے ادا کر رہے ہیں ان کے سیاسی تجزیے، تبصرے اور رپورٹیں بھی اسلام اور پاکستان کی محبت کی آئینہ دار ہوتی ہیں اور دیگر مضامین بھی بالعموم فرقہ واریت کی زہرناکی اور مذموم اثرات سے پاک۔

میں اس موقع پر دو تجویزیں اپنے ان عظیم صحافیوں کی خدمت میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں جن کی مذکورہ کردار کی وجہ سے میرے دل میں بڑی قدر ہے اور

یہ میرے ہی نہیں بلکہ وہ ہر اس پاکستانی کے محبوب ہیں جو یہاں اسلام کی فرماں روائی اور اس کی تعلیمات کا رواج و نفاذ چاہتا ہے۔

ایک تجویز یہ ہے کہ یہ رسائل اپنے صفحات میں اسلامی مضامین و مقالات کے لئے زیادہ گنجائش پیدا کریں، جو اس وقت بہت کم ہے۔ یہ سیاسی تجزیوں اور تبصروں کو ہی اصل اہمیت دیتے ہیں۔ اور ان کے مقابلے میں بڑے بڑے مفید اسلامی اور اصلاحی مضامین کو درخور اعتناء ہی نہیں سمجھتے۔ جب ان کی جنگ ہی کفر و الحاد کے مقابلے میں اسلام کی جنگ ہے، مغربیت کے مقابلے میں اسلامیت کی معرکہ آرائی ہے اور بے حیائی و بے پردگی کے مقابلے میں حیاء و عفت کے تصورات کے تحفظ کی جنگ ہے تو اسلامی و اصلاحی مضامین کی زیادہ اشاعت سے گریز کیوں؟

دوسری تجویز یہ ہے کہ وہ چند اشتہارات کے لئے اپنے اسلامی اصولوں کو قربان نہ کریں۔ ان کا کردار اسلام کے علم برداروں کا کردار ہے۔ اس دور میں اس مقدس مشن کے وارث و امین ہیں جس کے علم بردار مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خاں جیسے اکابر رہے ہیں۔ ان رسائل میں عورت والے اور سودی اشتہارات دیکھ کر بڑی روحانی اذیت ہوتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ حضرات جس مشن کو ادا کر رہے ہیں وہ ایک مقدس مشن ہے، جس فریضے کی ادائیگی میں وہ مصروف ہیں وہ انبیائی فریضہ ہے، جس میں صرف ہاتھ ہی قلم نہیں ہوتے، دار و رسن کو بھی چومنا پڑتا ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ وہ آج بھی ایثار و قربانی کا بہترین نمونہ ہیں اور وہ اس دور میں بھی جاں فروشی و سرفروشی کی وہ داستانیں زندہ کر رہے ہیں۔ جس کی مثالیں ہمارے اکابر نے پیش کیں۔ لیکن

اس سب کچھ کے باوجود ان کے رسائل کے صفحات اس عورت کے اشتہارات سے مزین ہیں جو اسلامی نقطہ نظر سے عورت کی تذلیل و توہین ہے اور جس کے خلاف ہمارے یہ عظیم صحافی جہاد کر رہے ہیں۔ سود کے اشتہارات ان صفحات میں راہ پا رہے ہیں جو مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کا حصہ ہے اور جو لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات کا حکم رکھتا ہے۔ یہ صحافی اس سودی اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف بھی پورے تسلسل اور زور سے آواز حق بلند کر رہے ہیں۔

میری گزارش ان سے یہی ہے کہ وہ جہاں اور ایثار و قربانی کا مظاہرہ کر رہے ہیں، کچھ قربانی اور کریں اور وہ پاکستان میں جس نظریہ اور نظام کے علم بردار بلکہ اس کے قائد اور رہنما ہیں اس نظریہ اور نظام کو سبوتاژ کرنے والے اشتہارات کی اشاعت سے بھی گریز کریں۔ اس طرح (بظاہر) کچھ مالی نقصان انہیں ضرور اٹھانا پڑے گا، لیکن اس سے انہیں جو معنوی اور روحانی برکتیں حاصل ہوں گی اور تائید و نصرت الہیٰ جس طرح ان کے ہم رکاب ہو گی، دنیا کے ماپ تول کے پیمانے اس کا اندازہ کرنے کے لئے ناکافی ہیں۔

یاایها الذین آمنوا ان تنصروا الله ینصرکم و یثبت اقدامکم (القرآن الحکیم)

ان کے بالمقابل مذہبی صحافت ہے جس سے مراد وہ رسائل و جرائد ہیں جو مذہبی جماعتوں کے زیر اہتمام علمی و تبلیغی نقطہ نظر سے نکلتے ہیں۔ یہ ماہنامے بھی ہیں اور ہفت روزہ بھی اور کچھ پندرہ روزہ اور سہ ماہی بھی، یہ تمام پرچے اپنے اپنے نقطہ نظر سے اسلام کے داعی اور مبلغ ہیں۔ ان میں کوئی بھی اس طرح الحاد، مغربیت اور بے حیائی کا علم بردار نہیں ہے۔ جس طرح ہماری مذکورہ قومی صحافت اور انہی

کے طریقے پر چلنے والی ہماری مذکورہ ماہواری یا ہفتہ واری یا ڈائجسٹی صحافت ہے اس لئے یہ مذہبی جرائد اپنے اپنے دائرے میں بایں معنی استحکام پاکستان کے لئے کام کر رہے ہیں کہ وہ اسلام کا شعور بھی عوام میں پیدا کر رہے ہیں اور انہیں اسلامی عقائد و اعمال اختیار کرنے کی ترغیب و تلقین بھی کرتے ہیں جس کے بغیر پاکستان کا استحکام ممکن نہیں ہے۔ گویا مذہبی صحافت ہی امید کی ایک کرن ہے جس سے مایوسی کی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کچھ امید وابستہ کی جا سکتی ہے اور وہی ملک و قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھا سکتی ہے اگر وہ اس کا عزم اور اس کے لئے ضروری اہلیت، صلاحیت اور استعداد اپنے اندر پیدا کر لے۔ لیکن مذہبی صحافت میں دو خامیاں یا کوتاہیاں ایسی ہیں کہ وہ اس کے مؤثر اور بھرپور کردار ادا کرنے میں مانع ہیں۔

ایک ان جرائد کا حلقہ اشاعت نہایت محدود ہے، عوام میں وہ اس ذوق و شوق اور دلچسپی سے نہیں پڑھے جاتے جس طرح وہ اخبارات و رسائل پڑھے جاتے ہیں جو غارت گر دین و اخلاق اور رہزن تمکین و ہوش ہیں۔

دوسرے فرقہ وارانہ مسائل کو ان میں زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اور ملک و قوم کو درپیش دینی، علمی اور معاشرتی مسائل سے اعتناء کم کیا جاتا ہے۔

اس لئے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ایک تو ان کے اثر و نفوذ کو زیادہ عام کیا جائے اور دوسرے فرقہ واریت کے تنگ دائرے سے ان کو نکال کر ان کو صحیح معنوں میں اسلام کا داعی و مبلغ بنایا جائے۔ اگر مکاتب فکر کے علمی و فقہی اختلافات کو سنجیدگی و متانت کے دائرے میں رکھا جائے۔ اگر مکاتب فکر کے علمی و فقہی اختلافات کو سنجیدگی و متانت کے دائرے میں رکھا جائے اور زبان و بیان

کے اسلوب میں طعن و تشنیع یا تنقیص و اہانت یا تکفیر و تفسیق کی بجائے نصح و خیر خواہی کا پہلو مد نظر رکھا جائے تو فرقہ واریت کے بڑھتے ہوئے خطرات و مفاسد کا سد باب بھی ممکن ہے اور اس طرح ان سے وہ کام بھی لیا جا سکتا ہے جو پاکستان کی وحدت و سالمیت اور استحکام کے لئے ان سے متوقع ہے اور جس کے پیش نظر ہی مذہبی صحافت کو روشنی کی ایک کرن، امید کا ایک دیا اور گھپ اندھیرے میں کرمک شب تاب قرار دیا گیا ہے۔

کاش یہ کرن پھیل کر آفتاب بن جائے، یہ دیا قندیل ربانی بن جائے اور یہ کرمک بدرِ منیر کا روپ دھار لے جس کی ضیاء سے سارا پاکستان بقعہ نور بن جائے اور یہ سرزمین امن و سکون کا گہوارہ بن جائے۔

وما علینا الا البلاغ المبین